ص۱

فتویٰ نمبر: ۵۸/۱۷



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

جناب محترم حضرت مفتی محمد صاحب دار الافتاء والارشاد جامعۃ الرشید احسن آباد، کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

MIS کراچی والوں نے جناب اشتیاق احمد صاحب کا ''سفرنامہ عمرے کا'' شائع کیا ہے۔ انہوں نے صفحہ ۳۰ پر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کا واقعہ لکھا ہے:

''درود تو دور سے ہی پڑھتے آرہے تھے، عین سامنے پہنچ کر ہم پڑھنے لگے:

"الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله، الصلوٰة والسلام عليك يا نبي الله، الصلوٰة والسلام عليك يا حبيب الله" اس مقامِ مبارکہ پر صلوٰۃ وسلام اسی طرح پڑھا جائے گا جبکہ دور سے ہم "الصلوٰة والسلام على رسول الله" پڑھتے ہیں۔'' (سفرنامہ عمرے کا: ص ۳۰)

آپ وضاحت فرمادیں کہ کیا یہ درود شریف ہے؟ کیا حدیث کی کتب میں یہ درود وسلام ملتا ہے؟ یا حاضری کے وقت درودِ ابراہیمی پڑھنا افضل ہے؟ کیا یہ الفاظ درودِ ابراہیمی سے بھی افضل ہیں؟ نیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین کرام اور اکابر اُمت رحمہم اللہ کا روضہ مبارک پر حاضری کے وقت کیا طریقہ تھا؟ وہ کیا پڑھتے تھے؟ نیز سب سے افضل درود وسلام کون سا ہے؟ وضاحت فرمادیں۔

والسلام

طارق مصطفیٰ اعوان

معلم گورنمنٹ اسلامیہ ہائی اسکول ملکہ (گجرات)

الجواب حامداً ومصلیاً باسم ملہم الصواب

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور تمام اکابر اُمت کا روضہ مبارک پر حاضری کا طریقہ یہ تھا کہ مسجدِ نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام میں داخل ہونے کے بعد پہلے دوگانہ تحیۃ المسجد پڑھتے اور پھر قبر اطہر پر حاضر ہو کر نہایت ادب واحترام کے ساتھ پست آواز میں نذرانۂ سلام پیش کرتے، کیونکہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیثِ مبارک میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ میری قبر پر آکر کوئی مجھ پر درود پڑھے تو میں اُسے سنتا ہوں:

"من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ نائيا أبلغته."

(شعب الإيمان للبيهقي: ۲/۲۱۵، ح ۱۵۸۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

وفي رواية أبي الشيخ عن أبي هريرة رضي الله عنه: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى علي من بعيد علمته."

(الجامع الكبير للسيوطي: ١/٢٣٤٠٥،ح ٥٥٠٣)

قال ابن القيم: "وقال أبو الشيخ في "كتاب الصلاة على النبي" حدثنا عبدالرحمن بن أحمد الأعرج، حدثنا الحسن بن الصباح، حدثنا أبو معاوية، حدثنا الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ من بعيد أعلمته." (جلاء الأفهام في فضل الصلاة على محمد خير الأنام: ١/٥٤، دار العروبة، كويت)

قال الحافظ ابن حجر العسقلاني: "وأخرجه أبو الشيخ في "كتاب الثواب" بسند جيد بلفظ: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ نائياً بُلِّغته." (فتح الباري: ١٠/٢٤٣)

وكذا ذكره ابن تيمية عن ابن أبي شيبة والدارقطني في "اقتضاء الصراط المستقيم."

(اقتضاء الصراط المستقيم: صـ ٢٩٤، دار الفكر، بيروت)

ترجمہ: ''جو شخص میری قبر پر آ کر مجھ پر درود بھیجتا ہے تو میں خود اسے سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھے (فرشتوں کے ذریعے) پہنچادیا جاتا ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو بھی آ کر مجھے سلام کرتا ہے میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

قال أبو داؤد: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "ما من أحد يسلم عليّ إلا ردّ الله عليّ روحي، حتى أرد عليه السلام." قال الألباني: حسن." (سنن أبي داؤد: ١/٦٢٢، ح ٢٠٤١، باب زيارة القبور، دارالفكر، ومسند أحمد: ٢/٥٢٧، ح ١٠٨٢٧، قال الشيخ الأرناؤوط: إسناده حسن)

ترجمہ: ''جو بھی کوئی (مسلمان قبر پر آ کر) مجھے سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے میری روح لوٹا دیتے ہیں تا کہ میں اسے سلام کا جواب دوں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریب سے صلاۃ وسلام سننا اُمت کا اجماعی عقیدہ ہے:

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی اس حدیثِ مبارک کی روشنی میں اس فاسد عقیدے کا بھی رد ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر ہیں اور ہر جگہ سے ہمارا صلاۃ وسلام سنتے ہیں، البتہ خاص روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کرنے کے بارے میں تمام اہل السنۃ والجماعۃ اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود صلاۃ وسلام سنتے ہیں جیسے کہ حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے تصدیقی دستخط سے جاری ہونے والے ایک فتویٰ میں تحریر ہے:

''کتبِ فقہ حنفیہ اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عند القبر بذاتِ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود وسلام سنتے ہیں۔ سلف اہلسنّت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔'' (بحوالہ خیر الفتاویٰ: ۱/ ۱۲۷، امدادیہ، ملتان)

اور اسی لیے کشف الباری کتاب المغازی صفحہ ۱۲۳ پر حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

''سماعِ انبیاء مجمع علیہ ہے، عام موتی کا مختلف فیہ ہے۔''

جبکہ قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتاویٰ رشیدیہ میں واشگاف الفاظ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر کے قریب سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کو اختلاف نہیں۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے، اس میں علماء کا اختلاف ہے، مجوّزِ سماعِ موتی اس کے جواز کے مُقر ہیں اور مانعینِ سماع منع کرتے ہیں، سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں، اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقتِ زیارتِ قبر مبارک کے شفاعت ومغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ کامل: ص ۱۱۲ محمد سعید تاجران کتب، کراچی)

دوسرے مقام پر فرمایا:

''انبیاء علیہم السلام کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا ہے کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔''

(فتاویٰ رشیدیہ کامل: ص ۶۰ محمد سعید تاجران کتب، کراچی)

قریب سے صلاۃ وسلام سننے کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ کا عقیدہ:

چنانچہ جمہور اہلسنّت سے بہت سارے مسائل میں اختلاف کرنے کے باوجود اس مسئلے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اختلاف نہیں کیا بلکہ اس باب میں ان کا عقیدہ وہی ہے جو جمہور سلف اہلسنّت کا ہے، حالانکہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے کہ اگر کسی بات سے انہیں شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کا سدِ باب کرتے ہیں اور اس کے خلاف محاذ قائم کر دیتے ہیں، مگر قبر شریف پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صلاۃ وسلام سننے کا مسئلہ اتنا صاف اور بے غبار ہے کہ جگہ جگہ پر اپنے فتاویٰ و دیگر کتب میں واضح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس پڑھا گیا صلاۃ وسلام خود سماعت فرماتے ہیں۔

قال ابن تيمية رحمه الله تعالىٰ: "إن الله حرّم على الأرض أن تأكل لحوم الأنبياء، فأخبر أنه يسمع الصلوة والسلام من القريب وأنه يبلغ

ذلك من البعيد."

(بيان مختصر لمناسك الحج، مجموع فتاویٰ ابن تيمية: ۱٤۷/۲٦)

وقال أيضا: "فهذه النصوص التي ذكرناها تدل على أنه يسمع سلام القريب، ويبلغ سلام البعيد وصلاته، ...... والحديث الذي فيه: "ما من رجل يسلم عليّ إلا رد الله عليّ روحي، حتى أرد عليه السلام." فهم العلماء منه السلام عند قبره خاصة، فلا يدل على البعيد." (الرد على البكري: ۱/۱۰۷، ۱/۲٥۳)

وقال أيضاً: "وقال: "أكثروا عليّ من الصلاة يوم الجمعة وليلة الجمعة، فإن صلاتكم معروضة عليّ." فقالوا: كيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمت؟ أي: بليت. قال: "إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء." فأخبر أنه يسمع الصلاة والسلام من القريب، وأنه يبلغه ذلك من البعيد."

(مجموعة فتاوى ابن تيميه:۱٤٤/٦، فصل وإذا دخل المدينة قبل الحج أو بعده)

وقال في المنهاج: "فهذا المعروف عنه في السنن هو الصلاة والسلام عليه كما أمر الله تعالىٰ بذلك في كتابه بقوله: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا﴾ (سورة الأحزاب: ٥٦) و قد ثبت في الصحيح أنه قال: "من صلى عليّ مرة صلى الله عليه عشرا." لكن إذا صلّى وسلّم عليه من بعيد بلغ ذلك، وإذا سلم عليه من قريب سمع هو سلام المسلم عليه، ولهذا كان الصحابة رضي الله عنهم إذا أتى أحدهم قبره سلم عليه، وعلى صاحبيه." (منهاج السنة النبوية: ٤٤۳/۲)

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا عقیدہ:

اور یہی وجہ ہے کہ جب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مخالفین نے ان کے بارے میں مشہور کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کو منع کرتے ہیں تو ان کے متبعین علماءِ نجد اور خاص کر ان کے صاحبزادے عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے کھلے الفاظ میں اپنا عقیدہ یہ بیان کیا کہ قبر کے قریب پڑھا گیا درود وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

قال الشيخ عبدالعزيز بن محمد: "ومما كتبه الشيخ عبدالله بن محمد بن عبدالوهاب ذاكرا هذه المفتريات، ثم معقبا عليه بالدحض

والرد، حين دخل مكة في محرم سنة ١٢١٨هـ ...... والذي نعتقده أن مرتبة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم أعلى مراتب المخلوقين على الإطلاق، وأنه حيّ في قبره حياة برزخية أبلغ من حياة الشهداء المنصوص عليها في التنزيل، إذ هو أفضل منهم بلا ريب، وأنه يسمع سلام المسلم عليه، وتسن زيارته." (دعاوي المناوئين لدعوة الشيخ محمد بن عبد الوهاب عرض ونقض: ١/١٢٠،١٢١)

اور یہی مضمون دو جگہوں پر علماءِ نجد کی کتاب الدرر السنیۃ فی الأجوبۃ النجدیۃ میں آیا ہے۔
(الدرر السنية في الأجوبة النجدية: ١/٢١٧،٢/٥٩)

حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا دعویٰ:

لہٰذا حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا یہ دعویٰ نقل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں:

"بلا خوفِ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۷۴ھ [۱۹۵۵ء] تک اہلسنّت والجماعت کا کوئی فرد، کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ، دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرحِ حدیث اور فقہ کی، علم کلام کی ہو یا علم تصوف وسلوک کی، سیرت کی ہو یا تاریخ کی، کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روحِ مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں، اور یہ کہ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے ـ من ادعى خلافه فعليه البيان، ولا يمكنه إن شاء الله تعالىٰ إلى يوم البعث، والجزاء، والميزان.
خدا کرے کہ جو حضرات اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں ان کو محل نزاع اور اپنا مدعا سمجھ آسکے۔" (تسکین الصدور: ص ۲۹۰)

یہاں تک تو یہ بات تھی کہ مواجہہ شریف پر تمام اُمتِ مسلمہ صیغہ خطاب کے ساتھ صلاۃ وسلام کیوں پڑھتی ہے۔ اس کی وجہ مندرجہ بالا عبارات کی روشنی میں واضح ہوئی کہ بلا اختلاف تمام سلف صالحین یہاں تک کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور علماءِ نجد بھی اس بات سے متفق ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلام کو بذاتِ خود اسی قبر شریف میں سنتے ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سلام احادیث کی روشنی میں:

جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ

تعالیٰ قبر مبارک پر آکر کس طرح سے صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرتے تھے؟ تو صحابہ کرام میں سے متعدد کبار صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت انس بن مالک، حضرت عمیر بن سعد الانصاری، حضرت ابودرداء، حضرت عبداللہ بن عمر اور بقیہ مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ قبر شریف پر آکر نذرانہ سلام صیغہ خطاب یعنی ''یارسول اللہ'' کے ساتھ عرض کرتے تھے۔ اس بارے میں متعدد احادیث وآثار میں سے نو یہاں پر پیش ہیں:

پہلی حدیث:

قال ابن أبي شيبة: "حدثنا أبو معاوية، عن عبيدالله، عن نافع، عن ابن عمر أنه كان إذا أراد أن يخرج دخل المسجد فصلى، ثم أتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: السلام عليكم يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبتاه! ثم يأخذ وجهه، وكان إذا قدم من سفر يفعل ذلك قبل أن يدخل منزله." (مصنف ابن أبي شيبة:۲۸/۳،ح ۱۱۷۹۳، باب من كان يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيسلم،الطبعة الأولى، مكتبة الرشد، الرياض)

دوسری حدیث:

وفي السنن الكبرى للبيهقي: "(أخبرنا) أبو الحسين علي بن محمد بن علي المهرجاني، ابن أبي علي السقاء بنيسابور، وأبو الحسن علي بن محمد بن علي المقرئ، المهرجاني بها، قالا: أنا الحسن بن محمد بن إسحاق، ثنا يوسف بن يعقوب القاضي، ثنا سليمان بن حرب، ثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن نافع: أن ابن عمر كان إذا قدم من سفر دخل المسجد، ثم أتى القبر، فقال: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبتاه !"

(السنن الكبرى للبيهقي: ۲۴۵/۵،باب زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم)

تیسری حدیث:

وفي معرفة السنن والآثار للبيهقي: "وروينا عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ما من أحد يسلم عليّ إلا رد الله إليّ روحي، حتى أرد عليه السلام." وكان ابن عمرْ إذا قدم من سفر دخل المسجد، ثم أتى القبر فقال: السلام عليك يارسول الله ! السلام عليك يا

أبا بكر ! السلام عليك يا أبتاه!“ (معرفة السنن و الآثار للبيهقي: ۹/۱۱٦)

چوتھی حدیث:

وفي المصنَّف : ”عبد الرزاق، عن معمر، عن أيوب، عن نافع قال: كان ابن عمر إذا قدم من سفر أتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبتاه! وأخبرناه عبد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر.“

(مصنف عبد الرزاق: ۳/۵۷٦،باب السلام على قبر النبي صلى الله عليه وسلم)

پانچویں حدیث:

وفي دلائل النبوة للبيهقي: ”قال الواقدي: حدثني موسى بن محمد بن إبراهيم قال: وجدت في صحيفة كتابا بخط أبي فيه: أنه لما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم و وضع على سريره، دخل أبو بكر وعمر، ومعهما نفر من المهاجرين والأنصار، قدر ما يسع البيت، وقالا: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، وسلم المهاجرون والأنصار كما سلم أبو بكر، ثم صفوا صفوفا، لا يؤمهم عليه أحد، فقال أبو بكر وعمر، وهما في الصف الأول حيال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اللّهم إنا نشهد أن قد بلغ ما أنزل إليه، ونصح لأمته، وجاهد في سبيل الله، حتى أعز الله تعالى دينه، وتمت كلمته، وأومن به وحده، لا شريك له، فاجعلنا إلهنا ممن يتبع القول الذي أنزل معه، واجمع بيننا وبينه، حتى تعرفه بنا، وتعرفنابه، فإنه كان بالمؤمنين رؤوفا رحيما، لا نبغي بالإيمان بدلا، ولا نشتري به ثمنا أبدا، فيقول الناس: آمين ! آمين ! فيخرجون، ويدخل آخرون، حتى صلى عليه الرجال، ثم النساء،ثم الصبيان.“ (دلائل النبوة: ۸/۳۹۱)

چھٹی حدیث:

وكذا في جامع الأحاديث: ”عن عبد الله بن محمد بن عبد الله بن عمر بن علي بن أبي طالب، عن أبيه، عن جده، عن علي قال: لما وضع رسول الله صلى الله عليه وسلم على السرير قال عليٌّ: لا يقوم عليه أحد هو إمامكم حيا وميتا ؛فكان يدخل الناس رَسَلا رَسَلا، فيصلون عليه صفا صفا، ليس لهم إمام ويكبرون، وعليٌّ قائم بحيال رسول الله

صلى الله عليه وسلم يقول: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، اللّهم إنا نشهد أن قد بلغ ما أنزل إليه، ونصح لأمته، وجاهد في سبيل الله، حتى أعز الله دينه، وتمت كلمته، اللّهم فاجعلنا ممن يتبع ما أنزل إليه، وثبتنا بعده، واجمع بيننا وبينه، فيقول الناس: آمين! حتى صلى عليه الرجال، ثم النساء، ثم الصبْيان." [(كنز العمال: ۲۵٤/۷، ح۱۸۷۹٤)، (أخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى: ۲۹۱/۲)]." (جامع الأحاديث: ۵٦/۳۲)

ساتویں حدیث:

وفي جامع الأحاديث مسند عمر بن الخطاب: "عن محمد بن مزاحم أن عمر بن الخطاب كان استعمل بعد موت أبي عبيدة بن الجراح على حمص عمير بن سعد الأنصاري، فأقام بها سنة فكتب إليه عمر بن الخطاب: إنا بعثناك على عمل من أعمالنا، فما ندري أوفيت بعهدنا أم خنتنا، فإذا جاءك كتابي هذا، فانظر ما اجتمع عندك من الفيء، فاحمله إلينا، والسلام. فقام عمير حين انتهى إليه الكتاب ...... فقام عمر وعمير إلى قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال عمير: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! ماذا لقيت بعدكما، اللّهم ألحقني بصاحبي، لم أغير ولم أبدل، وجعل يبكي عمر وعمير طويلا." (جامع الأحاديث: ۱٦۷/۲٦،۱٦۹)

آٹھویں حدیث:

وفي إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة: "وعنه: أنه [أي: ابن عمر] كان إذا قدم من سفر صلى ركعتين في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم، ثم أتى القبر، فقال: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبه! رواه مسدد، ومحمد بن يحيى بن أبي عمر، والبيهقي موقوفًا بسند صحيح." (الإتحاف: ۷۳/۳)

نویں حدیث:

و فيه أيضا: "باب ما يقوله إذا دخل المسجد، وإذا خرج منه: قال محمد بن يحيى بن أبي عمر: حدثنا المقرئ، ثنا حيوة بن شريح، أخبرني أبو صخر، عن يزيد بن قسيط، عن أبي الدرداء أنه يقول: إني

لأقول إذا دخلت المسجد: السلام عليك يا رسول الله! وإذا خرجت قلتها." (الإتحاف: ۲/۱۰)

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول:

مندرجہ بالا آخری حدیث میں تو اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر دفعہ جب بھی مسجد نبوی میں داخل ہوتے یا باہر نکلتے تو "السلام علیك یا رسول اللّٰہ!" کے الفاظ کے ساتھ سلام عرض کرتے، گویا صرف روزانہ کا نہیں بلکہ ہر روز جتنی دفعہ مسجد نبوی تشریف لاتے لے جاتے تو یہ ان کا معمول تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عادت مبارکہ:

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں بھی صراحت کے ساتھ اکثر و بیشتر سلام پیش کرنے کا ذکر آیا ہے، جیسے کہ حضرت نافع کی روایت میں ہے: ''میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سو دفعہ سے زیادہ مرتبہ روضۂ رسول پر سلام عرض کرتے دیکھا'' اس سے معلوم ہوا کہ سفر پر آنے جانے کے علاوہ بھی یہ ان کی مستقل عادت مبارکہ تھی۔

قال ابن تيمية رحمه الله: "و روى ابن بطة في الإبانة بإسناد صحيح عن معاذ بن معاذ، حدثنا ابن عون قال: سأل رجل نافعاً فقال: هل كان ابن عمر يسلم على القبر؟ فقال: نعم، لقد رأيته مائة، أو أكثر من مائة مرة. كان يأتي القبر، فيقوم عنده، فيقول: السلام على النبي، السلام على أبي بكر، السلام على عمر أبي. وفي رواية أخرى ذكرها الإمام أحمد محتجاً بها: ثم ينصرف."

(اقتضاء الصراط المستقيم: ۲۹۷، دار الفكر، بيروت)

وقال أيضا في مجموع الفتاوىٰ: "وكان عبدالله بن عمر يقول إذا دخل المسجد: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبت! ثم ينصرف." (مجموع فتاوىٰ ابن تيمية: ٦/١٤٤)

قال العلامة اللكنوي في التعليق الممجد لموطأ محمد: "وفي رواية عن نافع: كان ابن عمر يسلم على القبر، ورأيته مائة مرة أو أكثر يأتي ويقول: السلام على النبي، السلام على أبي بكر، السلام على أبي. وظاهره أنه كان دأبه وإن لم يسافر، كذا في "وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفى"، و"المواهب" و"شرحه"، وفي الباب عن أنس عند "البيهقي"، و"ابن أبي الدنيا"، وجابر عند "البيهقي"، وأبي أيوب عند

"أحمد"، و"الطبراني"،و"النسائي". (الموطأ ـ روايةمحمد بن الحسن ـ: ٤٤٨/٣، باب قبر النبيّ صلى الله عليه وسلم وما يستحب من ذلك، دار القلم، دمشق)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سلام بصیغۂ خطاب:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عادتِ مبارکہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق اور اپنے والد ماجد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلام پیش کرنے کی نہیں تھی بلکہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی ایسا ہی سلام پیش کرتے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے بعد انہیں "السلام عليك يا أبا خبيب" فرماتے ہوئے سلام کیا۔

قال في جامع الأصول من أحاديث الرسول: "(م) أبو نوفل قال: رأيت عبد الله بن الزُّبير على عقَبة المدينة، فجعلت قريش تمرعليه والناس، حتى مرعليه عبد الله بن عمر، فوقف عليه عبد الله، فقال: السلام عليك أبا خبيب! السلام عليك أبا خُبَيب! السلام عليك أبا خبيب!" (جامع الأصول: ٧٥٦٤/١٠)

وفي صحيح مسلم: "حدثنا عقبة بن مكرم العمي، حدثنا يعقوب ـ يعني ابن إسحاق الحضرمي ـ، أخبرنا الأسود بن شيبان، عن أبي نوفل: رأيت عبد الله بن الزبير على عقبة المدينة، قال: فجعلت قريش تمر عليه والناس، حتى مر عليه عبد الله بن عمر، فوقف عليه، فقال: السلام عليك أبا خبيب! السلام عليك أبا خبيب! السلام عليك أبا خبيب! أماوالله! لقدكنت أنهاك عن هذا." (صحيح مسلم: ٣٦٠/١٦)

وفي أخبار مكة للفاكهي: "حدثنا ابن أبي بزة قال: حدثني محمد بن يزيد بن خنيس، قال: ثنا عبد العزيز بن أبي رواد، قال: حدثني نافع، قال: خرجت مع ابن عمر رضى الله عنهما بعدما قتل ابن الزبير رضي الله عنهما، وصلب على ثنية المدنيّين، فقال لي: يا نافع ! إذا بلغنا الثنية، فأتينا ابن الزبير فأخبرني،حتى أسلم عليه، قال نافع: فنعسنا بأصل الثنية، فما فزعنا إلا وبالحمار من تحته، ففتحت عينى فإذا به، فقلت: يا أبا عبد الرحمن ! هذا ابن الزبير، فقال: سلام عليك يا أبا خبيب ورحمة الله وبركاته! أما والله! لمن كبر عليك يوم ولدت خير ممن كبر عليك يوم قتلت، ولقد كنت صواما قواما، ولكنك أنزلت الدنيا حيث لم

ينزلها الله تعالى، السلام عليك يا أبا خبيب! سر بنا يا نافع !."

(أخبار مكة: ٣٤٢/٤)

اُحد وغیرہ میں شہداء صحابہ کو سلام:

یہ صرف ان کا نہیں دیگر صحابہ کرام کا بھی طریقہ تھا، اُحد جا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اسی طرح خصوصی سلام کا نذرانہ پیش کرتے:

قال في دلائل النبوة للبيهقي: "قال الواقدي: وكانت فاطمة الخزاعية تقول: لقد رأيتني وقد غابت الشمس بقبور الشهداء، ومعي أخت لي، فقلت لها: تعالي نسلم على قبر حمزة، فقالت: نعم، فوقفنا على قبره فقلنا: السلام عليك يا عم رسول الله صلى الله عليه وسلم! فسمعنا كلاما رد علينا: وعليكم السلام ورحمة الله، قالت: وما قربنا أحد من الناس." (دلائل النبوة: ٣٧٦/٣)

تابعین کا سلام:

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین سے بھی اسی طرح کا سلام منقول ہے، جیسے حضرت عبداللہ بن ابی قیس رحمہ اللہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے احادیث کے بارے میں پوچھنے کے لیے مدینہ حاضر ہوئے تو حجرۂ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو کر پہلے "السلام عليكَ يا رسول الله!" کہا اور پھر "السلام عليكِ يا أُم المؤمنين!" کہا۔

في مسند إسحاق بن راهويه: "أخبرنا بقية بن الوليد، حدثني محمد بن زياد، حدثني عبد الله بن أبي قيس قال: بعثني ابن عازب إلى عائشة أم المؤمنين أسألها عن هذه الأحاديث، فأتيتها، فسألت: أين منزل أم المؤمنين؟ فقال رجل: إيت ذاك الباب، فإذا باب عليه ستر، فقلت: السلام عليكَ يا رسول الله! السلام عليكِ يا أم المؤمنين! فغفلت، فرددت السلام، فقالت: من هذا؟ فقلت: رسول ابن عازب، فقالت: عليك يا رسول ابن عازب السلام، ابن العفيف؟ فقلت: ابن العفيف، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم سماه عفيفا، فسألتها عن هذه الأحاديث، وسألتها عن الصيام، والوصال فيه، فقالت: نهى رسول الله صلى الله عليه و سلم عن الوصال في الصيام."

(مسند إسحاق بن راهويه: ٩٥٩/٣)

سلام بصیغۂ خطاب فقہاءِ کرام کی نظر میں:

فقہاءِ کرام رحمہم اللہ نے بھی حاجی کے لیے مدینہ منورہ جا کر مسجدِ نبوی اور روضہ مبارک پر حاضری دینے کا طریقہ اور آداب بڑی تفصیل سے ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ سلام کا صیغہ بھی یہی تحریر فرمایا ہے اور یہ صرف حنفی فقہاء نہیں تقریباً تمام مذاہب کے فقہاء نے الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اسی طرح صیغۂ خطاب کے ساتھ سلام عرض کرنے کا فرمایا ہے، بلکہ "یا رسول اللّٰه!" کے علاوہ دیگر اور بہت سارے القابات کے ساتھ سلام کے صیغے لکھے ہیں۔ جیسے "السلام عليك يا حبيب اللّٰه! السلام عليك يا خير خلق اللّٰه!" وغیرہ۔

قال في فتح القدير: "وما عن أبي الليث أنه يقف مستقبل القبلة مردود بما روى أبو حنيفة رضي اللّٰه عنه في مسنده عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما، قال: من السنة أن تأتي قبر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم من قبل القبلة، وتجعل ظهرك إلى القبلة، وتستقبل القبر بوجهك، ثم تقول: السلام عليك أيها النبي ورحمة اللّٰه وبركاته! إلا أن يحمل على نوع ما من استقبال القبلة، وذلك أنه عليه الصلاة والسلام في القبر الشريف المكرم على شقه الأيمن مستقبل القبلة ...... ثم يقول في موقفه: السلام عليك يا رسول اللّٰه! السلام عليك يا خير خلق اللّٰه! السلام عليك يا خيرة اللّٰه من جميع خلقه! السلام عليك يا حبيب اللّٰه! السلام عليك يا سيد ولد آدم! السلام عليك أيها النبي ورحمة اللّٰه وبركاته! يا رسول اللّٰه! إني أشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له، وأنك عبده ورسوله، وأشهد أنك يا رسول اللّٰه! قد بلغت الرسالة، وأديت الأمانة، ونصحت الأمة، وكشفت الغمة، فجزاك اللّٰه عنا خيرا، جازاك اللّٰه عنا أفضل ما جازى نبيا عن أمته ...... ويذكر كل ما كان من قبيل الاستعطاف والرفق به، ويجتنب الألفاظ الدالة على الإدلال والقرب من المخاطب، فإنه سوء أدب ...... هذا، وليبلغ سلام من أوصاه بتبليغ سلامه، فيقول: السلام عليك يا رسول اللّٰه من فلان بن فلان! أو فلان بن فلان يسلم عليك يا رسول اللّٰه! يروى أن عمر بن عبد العزيز رحمه اللّٰه كان يوصي بذلك، ويرسل البريد من الشام إلى المدينة الشريفة بذلك، ومن ضاق وقته عما ذكرناه اقتصر على ما يمكنه.

وعن جماعة من السلف الإيجاز في ذلك جدا، ثم يتأخر عن يمينه إذا كان مستقبلا قيد ذراع، فيسلم على أبي بكر رضي اللّٰه عنه، فإن

رأسه حيال منكب النبي صلى الله عليه وسلم، وعلى ما ذكرنا يكون تأخره إلى ورائه بجانبه، فيقول: السلام عليك يا خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم! وثانيه في الغار أبا بكر الصديق، جزاك الله عن أمة محمد صلى الله عليه وسلم خيرا، ثم يتأخر كذلك قدر ذراع، فيسلم على عمر رضي الله عنه ؛ لأن رأسه من الصديق كرأس الصديق من النبي صلى الله عليه وسلم، فيقول: السلام عليك يا أمير المؤمنين عمر الفاروق الذي أعز الله به الإسلام! جزاك الله عن أمة محمد صلى الله عليه وسلم خيرا، ثم يرجع إلى حيال وجه النبي صلى الله عليه وسلم، فيحمد الله، ويثني عليه، ويصلي، ويسلم على نبيّه، ويدعو،ويستشفع له ولوالديه، ولمن أحب، ويختم دعاءه بآمين والصلاة والتسليم." (فتح القدير: ۳/۱٦۸-۱٦۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

وفي الموسوعة الفقهية الكويتية: "ثمّ يأتي القبر الشّريف، فيستقبل جداره، ويستدبر القبلة على نحو أربعة أذرع من السّارية الّتى عند رأس القبر في زاوية جداره، ثمّ يقول في موقفه: السّلام عليك يا رسول الله! السّلام عليك يا خير خلق الله! السّلام عليك يا خيرة الله من جميع خلقه! السّلام عليك يا حبيب الله! السّلام عليك يا سيّد ولد آدم! السّلام عليك أيّها النّبي ورحمة الله وبركاته! يا رسول الله! إنّي أشهد أن لا إله إلّا الله وحده لا شريك له، وأنّك عبده ورسوله، وأشهد أنّك يا رسول الله! قد بلّغت الرّسالة، وأدّيت الأمانة، ونصحت الأمّة، وكشفت الغمّة، فجزاك الله عنّا خيراً، جازاك الله عنّا أفضل ما جازى نبياً عن أمّته، اللّهم أعط سيّدنا عبدك ورسولك محمّداً الوسيلة، والفضيلة، والدّرجة العالية الرّفيعة، وابعثه المقام المحمود الّذي وعدّته، وأنزله المنزل المقرّب عندك، إنّك سبحانك ذو الفضل العظيم، ويسأل الله تعالى حاجته.

هذا ما عليه عامّة الفقهاء مع اختلاف يسير في صيغ بعض الأدعية." (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۰٦/۳۹)

قبر مبارک پر درود شریف:

جہاں تک قبر مبارک کے پاس کھڑے ہوکر درود شریف پڑھنے کی بات ہے تو اس کا بھی آثار

صحابہ سے ثبوت ملتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں موطاً کی روایات میں تصریح آئی ہے کہ قبر نبوی کے پاس کھڑے ہوکر نبی کریم ﷺ پر درود شریف بھیجتے۔

قال في الموطّأ: "وحدثني عن مالك، عن عبد الله بن دينار، قال: رأيت عبد الله بن عمر يقف على قبر النبي صلى الله عليه و سلم فيصلي على النبي صلى الله عليه و سلم، وعلى أبي بكر وعمر." (الموطّأ ــ رواية يحيى الليثي ــ:١٦٦/١، ح٣٩٧، تحقيق محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء التراث العربي، مصر)

و أيضا في الموطأ: "أخبرنا مالك، أخبرنا عبد الله بن دينار، أن ابن عمر: كان إذا أراد سفرا، أو قدم من سفر جاء قبر النبي صلى الله عليه و سلم، فصلى عليه، ودعا، ثم انصرف.

قال محمد: هكذا ينبغي أن يفعله إذا قدم المدينة يأتي قبر النبي صلى الله عليه و سلم."

وقال اللكنوي في التعليق الممجد تحت قول الإمام محمد (يأتي ...... إلخ): "بيان لهكذا أي: يحضر عنده، ويصلي، ويسلم عليه." (الموطأ ــ رواية محمد بن الحسن ــ:٤٤٨/٣، ح ٩٤٧، باب قبر النبي صلى الله عليه و سلم وما يستحب من ذلك، تحقيق: د. تقي الدين الندوي، دار القلم، دمشق)

مواجہہ شریف پر صلاۃ اور سلام ملا کر پڑھنے کا ثبوت:

اور درود شریف کو سلام کے ساتھ ملا کر پڑھنے کا ثبوت بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی ملتا ہے:

وقال في السنن الصغرى للبيهقي: "وَرُوينا عن ابن عمر، أنه كان إذا قدم من سفر أتى القبر، فقال: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبتاه! وفي رواية أخرى: بدأ بقبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى عليه، وسلم، ودعا له، ولا يمس القبر." (السنن الصغرى: ٣٠/٢،باب إتيان المدينة، وزيارة قبر النّبي صلى الله عليه وسلم، والصلاة في مسجده، ومسجد قباء، وزيارة قبور الشهداء)

وفي شعب الإيمان للبيهقي: "أخبرنا أبو ذر عبد بن أحمد بن محمد الهروي، قدم علينا، أخبرنا أبو الفضل بن أبي القاسم، أخبرنا أحمد بن نجدة، حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، حدثنا محمد بن بشر، حدثنا عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر، أنه كان إذا قدم من سفر

بـدأ بـقبـر النبي صلى الله عليه وسلم، فصلى عليه، وسلم، ودعا له، ولا يمس القبر، ثم يسلم على أبي بكر، ثم قال: السلام عليك يا أبت."

(شعب الإيمان للبيهقي: ۱۸٤/۹)

تابعین کا صلاۃ اور سلام ملا کر پڑھنا:

اسی طرح تابعین میں سے حضرت علقمہ رحمہ اللہ کے بارے میں آیا ہے کہ جب بھی مسجدِ نبوی میں داخل ہوتے تو "السـلام عـليك أيهـا الـنبـي ورحـمة الله وبركاتـه! صلى الله، وملائكته على محمد." کہتے۔

قـال ابن أبي شيبة: "حدثنا وكيع، عن سفيان، عن أبي إسحاق، عن سعيد بن ذي حُدَّان، عن علقمة: أنه كان إذا دخل المسجد قال: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته! صلى الله وملائكته على محمد." (مصنف ابن أبي شيبة: ۱۷۷/۳، تحقيق محمد عوّامه، ح ٣٤٣٦، باب ما يقول الرجل إذا دخل المسجد)

وفي المصنف: "عبد الرزاق، عن معمر، والثوري، عن أبي إسحاق، عن سعيد بن ذي حُدَّان قال: سألت علقمة، قلت: ما تقول إذا دخلت المسجد؟ قال: أقول: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته! وصلى الله وملائكته على محمد." (مصنف عبد الرزاق: ٤٢٧/١)

تنبیہ:

فتویٰ میں مذکور تقریباً تیس (۳۰) احادیث، آثارِ صحابہ وتابعین میں سے پندرہ (۱۵) میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر پر سلام بصیغۂ خطاب کا صراحۃً ذکر ہے اور دیگر میں قبرِ مبارک پر صرف درود شریف یا صلاۃ اور سلام دونوں یا دیگر صحابہ کو سلام مذکور ہے۔

روضۂ اقدس پر سلام کے ساتھ صلاۃ کو ملانے کی وجہ:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلام کے ساتھ درود کو ملانے کی وجہ بھی یہی لکھی ہے، کہ قرآن کریم میں جہاں سلام کا حکم آیا ہے ساتھ ہی درود کا بھی حکم آیا ہے اور اس کی بھی تصریح کی ہے کہ دیگر صحابہ اور چاروں ائمہ بھی اسی طرح سے سلام پیش کرتے تھے۔

في مجموع فتاوىٰ ابن تيمية: "فصل: وإذا دخل المدينة قبل الحج أو بعده: فإنه يأتي مسجد النبي صلى الله عليه وسلم، ويصلي فيه، والصلاة فيه خير من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام ......ثم يسلم على النبي صلى الله عليه وسلم وصاحبيه فإنه قد قال: "ما من

رجـل يسـلم عليّ إلا رد الله عليّ روحي، حتى أرد عليه السلام." رواه أبـو داود وغيـره. وكـان عبـد الله بـن عـمـر يقول إذا دخل المسجد: السـلام عـليك يا رسول الله ! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبت! ثم ينصرف. وهكذا كان الصحابة يسلمون عليه، ويسلمون عليه مستقبلي الحجرة مستدبري القبلة عند أكثر العلماء كمالك والشافعي وأحمد. وأبو حنيفة قال: يستقبل القبلة، فمن أصحابه من قال: يستدبر الحجرة و منهـم من قـال: يجعلها عن يساره، واتفقوا على أنه لا يستلم الـحـجرة، ولا يقبلها، ولا يـطوف بـها، ولا يصـلي إلـيها، وإذا قال في سلامه: السلام عليك يا رسول الله،يا نبي الله، يا خيرة الله من خلقه، يا أكـرم الـخـلـق عـلى ربه،يا إمام المتقين ! فهذا كله مَن صفاته بأبي هو وأمـي صـلـى الله عـليـه وسلم. وكذلك إذا صلى عليه مع السلام عليه فهـذا مـمـا أمر الله به ...... فأخبر أنه يسمع الصلاة والسلام من القريب وأنه يبلغه ذلك من البعيد." (مجموعة فتاوى ابن تيميه:١٤٤/٦)

وكـذا فـي مـخـتـصـر مـنسك شيـخ الإسـلام ابـن تيـمية أيـضـاً: (٣٩/١،الـفصل الرابع عشرفي زيارة مسجد رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ وغيره، آداب الزيارة)

صلاۃ وسلام شیخ ابن باز کی نظر میں:

اسی طرح آج کل کے عرب علماء خاص کر سابق مفتی اعظم سعودیہ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ اور دیگر بھی نذرانۂ سلام کو خطاب کے صیغے کے ساتھ شرک قرار نہیں دیتے بلکہ اس کے جواز کے قائل ہیں اور درود کو بھی اسی لیے ساتھ ملاتے ہیں کہ درود شریف کی احادیثِ مبارکہ میں بہت ترغیب آئی ہے اور آیت: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلآئِكَتَه' يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِي يٓـاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ میں سلام کے ساتھ ساتھ درود بھیجنے کا بھی حکم ہے۔

في مجموع فتاوى و مقالات ابن باز:

"سـؤال: إذا سـافـر الإنسـان إلـى المدينة المنورة فهل يلزمه السلام عـلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، وصاحبيه رضي الله عنهما أم لا ؟ وإذا أراد السلام عليهم فما هي الطريقة الصحيحة لذلك؟ أقصد: هل لابـد مـن المبادرة بالسلام عليهم، أو أنه لا بأس من تأخيره، وهل لابد مـن الدخول من خارج المسجد ليكونوا عن يمينه، أو لا بأس بسلامه

عليهم وهو خارج المسجد، وهم بذلك سيكونون عن شماله ؟ وما هي الصيغة الشرعية للسلام ؟ وهل يتساوى في ذلك الرجل والمرأة ؟ أرشدونا جزاكم الله خيراً.

جواب: السنة لمن زار المدينة المنورة أن يبدأ بالمسجد النبوي، فيصلي فيه ركعتين، والأفضل أن يكون فعلهن في الروضة النبوية إذا تيسر ذلك لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "ما بين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة." ثم يأتي القبر الشريف، فيسلم على النبي صلى الله عليه وسلم، وعلى صاحبيه: أبي بكر وعمر رضي الله عنهما من قبل القبلة، يستقبلهما استقبالاً، وصفة السلام أن يقول: السلام عليك يا رسول الله ورحمة الله وبركاته! وإن زاد فقال: صلى الله وسلم عليك، وعلى آلك، وأصحابك، وجزاك الله عن أمتك خيراً، اللّهم آته الوسيلة، والفضيلة، وابعثه المقام المحمود الذي وعدته، فلا بأس، ثم يتأخر عن يمينه قليلاً، فيسلم على الصديق، فيقول: السلام عليك يا أبا بكر ورحمة الله وبركاته ! رضي الله عنك، وجزاك عن أمة محمد خيراً، ثم يتأخر قليلاً عن يمينه، ثم يسلم على عمر رضي الله عنه مثل سلامه على الصديق رضي الله عنهما، لكن يشرع للرجال والنساء جميعاً الإكثار من الصلاة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم في كل مكان لعموم قول الله سبحانه: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِي يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ وقول النبي صلى الله عليه وسلم: "من صلى عليّ واحدة صلى الله عليه بها عشراً." والأحاديث في فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم كثيرة." (مجموع فتاوى ومقالات ابن باز: ۲/۲۳۶،۲۳۷)

قبر مبارک پر صیغۂ خطاب کے ساتھ صلاۃ وسلام پڑھنا افضل ہے:

بلکہ ایک سوال کے جواب میں شیخ بن باز نے جہاں درودِ ابراہیمی اور "الصلاة والسلام عليك يارسول الله!" دونوں کو جائز بتلایا ہے تو وہیں درود وسلام کو روضہ مبارک پر صیغۂ خبر اور خطاب کے ساتھ یعنی "الصلاة والسلام عليك يارسول الله !" کو افضل قرار دیا ہے۔

قال في فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء:

"سؤال: أيّ صلوات أفضل عند قبره الشريف؟ أعني: (الصلاة

والسـلام عـليك يا رسول الله !)، أو (اللّٰهم صل على محمد، وعلى آل محمد) بصيغة الطلب، ......؟

جـواب: لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم- فيما نعلم- صيغة معينة في الصلاة و السلام عليه عند قبره، فيجوز أن يقال عند زيارته: الصلاة والسلام عليك يا رسول الله! فإن معناها: الطلب والإنشاء وإن كان اللفظ خبرًا، ويجوز أن يصلى عليه بالصلاة الإبراهيمية، فيقول: اللّٰهم صل على محمد، والأفضل: أن يسلم عليه بصيغة الخبر كما يسلم على بقية القبور، ولأن ابن عمر رضي الله عنهما كان إذا زاره يقول: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبتاه! ثم ينصرف ......"

(فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء: ۲/۵۵)

عام مردوں کی طرف سے سلام کا جواب:

ایک حدیثِ مبارک میں تو یہاں تک آیا ہے کہ جو کوئی مسلمان کسی مسلمان کی قبر پر گزرے جسے وہ دنیا میں جانتا تھا اور اسے سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سلام کا جواب دینے کے لیے اس مردے پر اس کی روح لوٹا دیتے ہیں، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں قبرستان جا کر سلام کرنے کا یہ صیغہ بھی آیا ہے جو خطاب ہی کا صیغہ ہے:

"السلام عليكم يا أهل القبور، يغفر الله لنا ولكم، وأنتم سلفنا ونحن بالأثر."

قال ابن تيمية رحمه الله: "وإن كان السلام على أهل القبور جائزا، ومخاطبتهم جائزة كما كان النبي صلى الله عليه و سلم يعلم أصحابه إذا زاروا القبور أن يقول قائلهم: "السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين والمسلمين وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، يغفر الله لناولكم، نسأل الله لناولكم العافية. اللّٰهم لا تحرمنا أجرهم، ولا تفتنا بعدهم، واغفر لنا ولهم." وروى أبو عمر ابن عبد البر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "ما من رجل يمر بقبر الرجل كان يعرفه في الدنيا، فيسلم عليه إلا رد الله عليه روحه، حتى يرد عليه السلام." وفي سنن أبي داود عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "ما من مسلم يسلم عليّ إلا رد الله عليّ روحي، حتى أرد عليه السلام." لكن ليس من

المشروع أن يطلب من الأموات لا دعاء ولا غيره. وفي موطأ مالك أن ابن عمر كان يقول: السلام عليك يا رسول الله! السلام عليك يا أبا بكر! السلام عليك يا أبت! ثم ينصرف، وعن عبد الله بن دينار قال: رأيت عبد الله بن عمر يقف على قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فيصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، ويدعو لأبي بكر وعمر، وكذلك أنس بن مالك وغيره نقل عنهم: أنهم كانوا يسلمون على النبي صلى الله عليه وسلم." (مجموع فتاوىٰ ابن تيمية: ۱/۱۰۹)

وقال أيضاً: "وقد روي حديث صححه ابن عبد البر: أنه قال: "ما من رجل يمر بقبر الرجل كان يعرفه في الدنيا، فيسلم عليه إلا رد الله عليه روحه، حتى يرد عليه السلام." [مختصر تاريخ دمشق:۷/۲۹۲، وديلمي:۶۰۵۵]

وروي في تلقين الميت بعد الدفن حديث فيه نظر، لكن عمل به رجال من أهل الشام الأولين، مع روايتهم له، فلذلك استحبه أكثر أصحابنا وغيرهم.

فهذا و نحوه مما كان النبي ﷺ يفعله، ويأمر به أمته عند قبور المسلمين عقب الدفن، و عند زيارتهم، أو المرور بهم: إنما هو تحية للميت كما يُحيَّا الحي ...... فهذا كله وما كان مثله من سنة رسول الله ﷺ، وما كان عليه السابقون الأولون: هو المشروع للمسلمين في ذلك. و هو الذي كانوا يفعلونه عند قبر النبي ﷺ و غيره."

(اقتضاء الصراط المستقيم: ۲۹۶-۲۹۷، دار الفكر، بيروت)

حدیثِ سماع کی حیثیت:

آگے بڑھنے سے پہلے جواب میں مذکور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس لیے کہ "بیہقی" اور "تاریخ خطیب" میں مذکور حدیث کی سند میں اعمش سے روایت کرنے والے ایک راوی محمد بن مروان السدی الصغیر ہیں۔ جس پر محدثین رحمہم اللہ نے سخت کلام کیا ہے، خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "تاریخ بغداد" (۳/۲۹۲) میں ان کے بارے میں ابن نمیر کا قول نقل کیا ہے: "محمد بن مروان ليس بشيء." یعنی روایت حدیث میں محمد بن مروان کی کوئی حیثیت نہیں اور ابن الجوزی نے "موضوعات" (۱/۳۰۳) میں فرمایا: "لا يصح، و محمد بن مروان هو السدي الصغير." یعنی محمد بن مروان وہی سدّی صغیر ہیں (اور اس کی روایت کردہ) یہ حدیث صحیح نہیں۔

اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کو ''متروک'' قرار دیا اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''مجموع الفتاویٰ'' (۲۴۱/۲۷) میں محمد بن مروان کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع قرار دیا۔

یہاں تک کہ علامہ عقیلی نے ''کتاب الضعفاء'' (۱۳۶/۴، ترجمہ: ۱۶۹۶) میں سدی صغیر سے روایت ہونے کی بناء پر لکھا: "لا أصل لـه من حديث الأعمش، وليس بمحفوظ، ولا يتابعه إلا من هو دونه." یعنی اعمش سے اس حدیث کی روایت ہی بے اصل ہے۔

محدثین کے اس کلام کی بناء پر قبر مبارک پر پڑھے گئے صلاۃ وسلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سماعت فرمانے کے منکرین نے طوفان کھڑا کیا ہوا ہے۔ حالانکہ کسی حدیث کی ایک سند میں کسی ایک راوی کے کذاب یا وضّاع ہونے کی بنا پر (اس کی روایت کو قبول نہ کرنے سے) یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری صحیح سند سے بھی وہ حدیث نا قابل قبول ہے اور وہ مسئلہ ہی غلط یا بے اصل ہے، جبکہ اسی حدیث کو ابوالشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جیّد سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ابن تیمیہ کی انصاف پسندی:

یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے باوجود متشدّد فی الحدیث ہونے کے یہاں پر انصاف سے کام لیتے ہوئے لکھا: اگر چہ محمد بن مروان کی وجہ سے یہ سند قابل حجت نہیں، مگر اس کا معنی صحیح ہے، کیونکہ دوسری احادیث سے اس کا یہ معنی ثابت ہے۔

کما قال في الرد على الأخنائي (۲۱۰-۲۱۱): "الحديث وإن كان معناه صحيحا، فإسناده لا يحتج به، و إنما يثبت معناه بأحاديث أخر."

چنانچہ اگر ہم حدیث شریف کے دوسرے طریق جسے ابوالشیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''ثواب الاعمال'' میں نقل کیا ہے، کو دیکھیں تو اعمش سے ہی محمد بن مروان کے ساتھ ساتھ ایک اور ثقہ راوی ابو معاویہ بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، جس کے ثقہ ہونے کا اعتراف البانی نے بھی کیا ہے۔

البانی صاحب کی ناانصافی:

لیکن البانی صاحب نے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کا راستہ ہموار کرنے کے لیے اسی سند کے ایک دوسرے راوی ابوصالح عبدالرحمٰن بن احمد الزہری الاعرج کو محض اس بناء پر ''مجہول'' قرار دیا ہے کہ ابوالشیخ نے اپنی کتاب ''طبقات الأصبہانیین'' (۳۸۱/۳) میں ان کا تذکرہ کر کے ان کی جرح وتعدیل سے سکوت کیا ہے۔

قال الألباني: "قلت: و رجال هذا السند كلهم ثقات معروفون غير الأعرج هذا، والظاهر أنه الذي أورده أبو الشيخ نفسه في طبقات الأصبهانيين (۴۶۳/۳۴۲) فقال: عبدالرحمن بن أحمد الزهري،

الأعرج، ثم روى عنه حديثين، ولم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا، فهو مجهول ...... فقول الحافظ في "الفتح" (۳۷۹/۲): "سنده جيد" غير مقبول." (سلسلة الأحاديث الضعيفة: ۱/۳٦۷،۳٦۸)

حالانکہ یہ صریح ناانصافی ہے۔ محدثین کے ہاں کسی راوی کا تذکرہ بغیر جرح وتعدیل کے کیے جانے سے وہ راوی مجہول قرار نہیں پاتا، ورنہ اس طرح تو بخاری ومسلم کے سینکڑوں راوی "مجہول" شمار ہوں گے اور ان کی روایت کردہ احادیث پر ضعیف ہونے کا حکم لگ جائے گا، جبکہ اس کا قائل کوئی نہیں۔ اس بات کو پوری تفصیل سے شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے "الرفع والتکمیل" پر اپنی تعلیقات میں رقم فرمایا ہے:

قال أبوغدة: "قال الذهبي في الميزان (۵۵٦/۱) في ترجمة حفص بن بغيل: قال ابن القطان: لا يعرف له حال ولا يعرف، قلت: فإن ابن القطان يتكلم في كل من لم يقل فيه إمام عاصر ذاك الرجل أو أخذ عمن عاصره، مما يدل على عدالته، و هذا شيء كثير، ففي الصحيحين من هذا النمط خلق كثيرون مستورون، ماضعفهم أحد، ولا هم بمجاهيل.

و قال أيضا في الميزان (٤۲٦/۳)، في ترجمة مالك بن الخير الزبادي المصري: قال ابن القطان: هو ممن لم تثبت عدالته، يريد أنه مانص أحد على أنه ثقة، و في رواة الصحيحين عدد كثير ما علمنا أن أحداً نص على توثيقهم . والجمهور على أن من كان من المشايخ قد روى عنه جماعة، و لم يأت بما ينكر عليه: أن حديثه صحيح."

(الرفع والتكميل: ۲٤۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

راوی کب "مجہول" قرار پاتا ہے؟

درحقیقت کوئی راوی "مجہول" تب قرار پاتا ہے جب وہ نہ تو حدیث کے طالب علم کے طور پر مشہور ہوا ہو، نہ اہلِ فن اسے جانتے ہوں، اور پورے ذخیرۂ احادیث میں اس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہو اگر دو یا اس سے زیادہ راوی کسی سے روایت کریں تو پھر وہ "مجہول" نہیں رہتا، خطیب بغدادی، علامہ سخاوی، علامہ ابن عبدالبر، اور علامہ تقی الدین سبکی رحمہم اللہ اور خود البانی صاحب نے بھی اس کی تصریح کی ہے:

قال العلامة اللكنوي رحمه الله: "قال الخطيب البغدادي في الكفاية (صـ ۸۸): المجهول عند أهل الحديث، هو كل من لم يشتهر

بطلب العلم في نفسه، ولا عرفه العلماء به، ومن لم يعرف حديثه إلامن جهة راو واحد ...... و روينا عن محمد بن يحيى الذ هلي قال: إذا روى عن المحدث رجلان ارتفع عنه اسم الجهالة. انتهى.

و قال أيضا: أقل ما ترتفع به الجهالة أن يروي عنه اثنان فصاعدا من المشهورين بالعلم، إلا أنه لا يثبت له حكم العدالة بروايتهما عنه. انتهى.

و قال السخاوي في "فتح المغيث" (صـ:١٣٧): قال الدارقطني: من روى عنه ثقتان، فقد ارتفعت جها لته، و ثبتت عدالته. انتهى.

و قال ابن عبدالبر في "الاستذكار" شرح الموطأفي باب الوضوء مما مست النار (١/٢٢٨): من روى عنه ثلاثة - و قيل: اثنان - ليس بمجهول. انتهى.

و قال تقي الدين السبكي في "شفاء السقام في زيارة خير الأنام" (صـ:٩٠) فإن أراد جهالة العين، و هوغالب اصطلاح أهل الشأن في هذا الإطلاق - فذلك مرتفع عنه ...... وبراوية اثنين تنتفي جهالة العين فكيف برواية سبعة؟ وإن أراد جهالة الوصف فرواية أحمد عنه ترفع من شأنه." (الرفع والتكميل:٢٤٩-٢٥٢، قديمى كتب خانه، كراچى)

قال الألباني في تمام المنة: "القاعدة الرابعة: رد حديث المجهول، قال الخطيب في الكفاية (صـ: ٨٨): "المجهول عند أصحاب الحديث: هو كل من لم يشتهر بطلب العلم في نفسه، ولا عرفه العلماء به، ومن لم يعرف حديثه إلا من جهة راو واحد."

وأقل ما ترتفع به الجهالة أن يروي عن الرجل اثنان فصاعدا من المشهورين بالعلم كذلك. ...... قلت: والمجهول الذى لم يرو عنه إلا واحد هو المعروف بمجهول العين وهذه هي الجهالة التي ترتفع برواية اثنين عنه فأكثر." (تمام المنة في التعليق على فقه السنة:١/١٩)

ابوصالح الزہری الاعرج مجہول نہیں:

جبکہ یہاں پر تو ابوصالح الاعرج سے ابوالشیخ محمد بن حیان نے کتاب "ثواب الأعمال" اور "کتاب الأمثال فی الحدیث" (١/٧٣) اور "طبقات المحدثین بأصبهان" (٣/٣١١، ٣١٥، ٢٨١، ٢٨٢، ٢٨٣) میں، قاضی ابواحمد محمد بن احمد بن ابراهیم نے "أخبار الأصبهان"

لأبي نعیم الأصبهاني (۱۴۳/۷) میں اور علی بن محمد الجلی نے ''التدوین فی أخبار قزوین'' (۴۳/۲) میں احادیث روایت کی ہیں۔

اسی طرح علامہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ابوالشیخ کے ساتھ مزید دو اور حضرات محدثین: محدث عسال اور احمد بن بندار کے نام بھی ذکر کیے ہیں جنہوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔

قال الذهبي: "عبدالرحمن بن أحمد بن يزيد، أبو صالح الزهري، الأصبهاني، الأعرج، أخو محمد بن أحمد الزهري، سمع أبا كريب، وحميد بن مسعدة، و مسلم بن شبيب و جماعة، و عنه العسال، وأبو الشيخ، و أحمد بن بندار. تو في سنة ثلاث مائة."

(تاريخ الإسلام: ۲۲٦۹/۱)

اس طرح کل پانچ راوی ہیں جو ابوصالح الاعرج سے روایت کرتے ہیں جبکہ اوپر گزرا کہ کسی راوی سے صرف دو راویوں کی روایت سے بھی وہ راوی مجہول نہیں رہتا۔

''مستور'' راوی کی روایت مقبول ہے:

اب رہی بات کہ جس راوی میں جہالۃ الوصف ہو یعنی جس کے بارے میں محدثین عظام نے اس کے ثقہ ہونے یا نہ ہونے کی وضاحت نہ کی ہو بلکہ سکوت فرمایا ہو تو اس کے لیے محدثین کے ہاں ''مستور'' کی اصطلاح مشہور ہے۔ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ محدثین کے ہاں ایسے مستور راوی کی روایت مقبول ہے، جس پر کسی نے جرح نہ کی ہو۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا قول اس بارے میں بالکل واضح اور صریح ہے۔

قال عبد الفتاح أبوغدة رحمه الله تعالىٰ في تعليقه: "قال الحافظ الذهبي في رسالته "الموقظة في المصطلح" ما يمكن اعتباره نصا صريحا في الموضوع، قال رحمه الله: و قد اشتهر عند طوائف من المتأخرين إطلاق اسم (الثقة) على من لم يجرح مع ارتفاع الجهالة عنه، و هذا يسمى: مستورا، و يسمى: محله الصدق، و يقال فيه: شيخ." (الرفع والتكميل: صـ ۲۳۷، قديمى كتب خانه، كراچى)

اسی طرح شارح بخاری، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے ارشاد الساری (۱٦/۱) میں، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح نخبہ میں اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح شرح النخبۃ (ص: ۱۵٦) میں مستور کی روایت کے مقبول ہونے کی تصریح کی ہے۔

قال أبوغدة: "قال القسطلاني في إرشاد الساري: وقبل المستور قوم، ورجحه ابن الصلاح. وقال ابن حجرفي شرح النخبة: وقبل روايته

جـمـاعة بـغير قيد. ...... في شرح شرح النخبة: وقد قبل رواية المستور جـمـاعة مـنهـم أبـو حـنيفة ـ رضي الله عنه ـ بغير قيد يعني بعصر دون عصر، ذكره السخاوي."

(التعليق على الرفع والتكميل:ص ٢٤٥، قديمی کتب خانه، کراچی)

مستور راوی کے بارے میں قول فیصل:

اس بارے میں علامہ عبدالفتاح ابوغدۃ رحمہ اللہ کا قول فیصل یہ ہے کہ علماء جرح وتعدیل جنہوں نے راویوں پر کلام کیا یا با قاعدہ کتابیں تصنیف کی ہیں اگر ایسے راوی کے بارے میں سکوت فرمائیں جس پر کسی اور کی طرف سے جرح نہ کی گئی ہو، اور اس کی روایت کردہ حدیث کا متن بھی منکر نہ ہو، تو ان کا سکوت اس راوی کے حق میں توثیق شمار ہوگی اور محض ان کے سکوت سے وہ راوی مجہول یا ضعیف نہیں ٹھہرے گا۔ اس کی روایت کردہ حدیث صحیح ہوگی یا کم از کم وہ حدیث اگر دیگر علتوں سے پاک ہو تو حسن کے درجے سے تو کسی طور پر نیچے نہیں آئے گی۔

قـال فـي التعليق على الرفع والتكميل: "فإذا علم هذا كله، اتضحت وجـاهة ما أثبته من أن مثل البخاري، أو أبي زرعة، أو أبي حاتم، أو ابنه، أو ابن يونس المصري الصدفي، أو ابن حبان، أو ابن عدي، أو الحاكم الكبير أبي أحمد، أو ابن النجّار البغدادي، أو غيرهم ممن تكلم أو ألف في الرجال، إذا سكتوا عن الراوي الذي لم يجرحْ و لم يأت بمتن منكر يـعد سكوتهم عنه من باب التوثيق والتعديل، ولا يعد من باب التجريح والتـجهيـل، و يـكـون حـديثه صحيحا أو حسنا، أو لا ينزل عن درجة الحسن، إذا سلم من المغامز، والله أعلم."

(الرفع والتكميل: ص٢٤٦، قديمی، کراچی)

البانی صاحب کا اعتراف:

اور بالآخر خود البانی صاحب نے بھی یہی اعتراف کیا ہے۔

قـال فـي تـمـام المنة: "نعم يمكن أن تقبل روايته إذا روى عنه جمع من الثقات ولم يتبين في حديثه ما ينكر عليه وعلى هذا عمل المتأخرين من الحفاظ كابن كثير والعراقي والعسقلاني وغيرهم."

(تمام المنة في التعليق على فقه السنة: ١/ ٢٠)

علامہ مناوی کا تسامح:

البانی صاحب کے علاوہ علامہ عبدالرؤف مُناوی رحمہ اللہ نے بھی فیض القدیر شرح الجامع الصغیر

(٦/ ٢٢٠) میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول "بسند جید" کو "وھو غیر جید" کہا، علامہ مناوی کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حافظ ابن حجر کے قول کو بیہقی کی ابن مروان والی روایت کے بارے میں سمجھا۔



قال المُناوي: "(من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ نائيا) أي: بعيدا عني (أبلغته) أي: أخبرت به من أحد من الملائكة، وذلك لأن لروحه تعلقا بمقر بدنه الشريف، وحرام على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فحاله كحال النائم الذي ترقى روحه بحسب قواها إلى ما شاء الله له مما اختص به من بلوغه غاية القدرة له بحسب قدره عند الله في الملكوت الأعلى، ولها بالبدن تعلق، فلذا أخبر بسماعه صلاة المصلي عليه عند قبره، وذا لا ينافيه ما مر في خبر: "حيثما كنتم فصلوا على." من أن معناه لا تتكلفوا المعاودة إلى قبري، فإن صلاتكم تبلغني حيث كنتم ما ذاك إلا لأن الصلاة في الحضور مشافهة أفضل من الغيبة لكن المنهي عنه هو الاعتياد الرافع للحشمة المخالف لكمال المهابة والإجلال.

- (هب عن أبي هريرة) قال ابن حجر في الفتح: "سنده جيد"، وهو غير جيد. قال البيهقي: رواه في الشعب، وفي كتاب حياة الأنبياء من حديث محمد بن مروان عن الأعمش عن أبي هريرة، وضعفه في كتاب حياة الأنبياء بابن مروان هذا، وأشار إلى أن له شواهد اهـ.

وقال العقيلي: حديث لا أصل له، وقال ابن دحية: موضوع تفرد به محمد بن مروان السدّي قال: وكان كذابا، وأورده ابن الجوزي في الموضوع، وفي الميزان: ابن مروان السدي تركوه، واتهم بالكذب، ثم أورد له هذا الخبر."

(فيض القدير: ٦/ ٢٢٠، ح ٨٨١٢، دارالكتب العلمية، بيروت)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے بڑی صراحت سے فتح الباری میں فرمایا: "اس حدیث کو ابو الشیخ نے "کتاب الثواب" میں جید سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔"

قال ابن حجر رحمه الله: "وأخرجه أبو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيّد." (فتح الباري: ٦/ ٦٣٠، قديمى كتب خانه، كراچى)

لہذا اگر علامہ مُناوی فتح الباری کی مراجعت کرتے تو ان سے اتنی بڑی غلطی صادر نہ ہوتی، جو

بقول حافظ غُماری رحمہ اللہ تعالیٰ کسی بڑے محقق یا محدّث سے تو کجا علمِ حدیث کے ایک ادنی طالب علم سے بھی ناممکن ہے۔ اسی لیے حافظ احمد بن الصدیق غماری نے مناوی پر سخت رد کرتے ہوئے مندرجہ بالا وضاحت فرمانے کے بعد ابوالشیخ کی سند کے بارے میں کہا: یہ سند صاف ہے، بیہقی کی سند کی طرح اس میں محمد بن مروان کا وجود نہیں۔

قال الغُماري: "من صلّى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ نائياً أبلغته. (هب) عن أبي هريرة.

قال في الكبير: قال ابن حجر ـ يعني الحافظ ـ في الفتح: سنده جيّد، وهو غير جيد، فإن البيهقي رواه من حديث محمد بن مروان عن الأعمش عن أبي هريرة ...... إلخ.

قلت: ما كنت أظن أن الغفلة والجرأة تصل بالشارح إلى حد الانتقاد على شيخ الفن بالجهل والتهور، فالحافظ أورد الحديث من عند أبي الشيخ في كتاب الصلاة على النبي ﷺ الذي قال: حدثنا عبدالرحمن بن أحمد الأعرج، ثنا الحسين بن الصباح، ثنا أبو معاوية، ثنا الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة به.

فهذا سند نظيف لا وجود لمحمد بن مروان السدي فيه بخلاف سند البيهقي ...... فأعجب لغباوة الشارح التي تحمله على الاعتقاد بأن الحافظ قد يغلط مثل هذه الغلطة الفاحشة، لأن محمد بن مروان السدّي مشهور يعرفه صغار طلبة الحديث، فكيف يخفى أمره على شيخ شيوخ، متقن الفن، الحافظ ؟!!" (المداوي لعلل المناوي: ٦/٢٧٧)

ابن عبدالہادی کی غلط فہمی:

علامہ مُناوی کا یہ مغالطہ بظاہر ایسا ہی ہے جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد ابن عبدالہادی نے اعمش سے ابومعاویہ کی روایت کا سرے سے انکار کر کے کہا کہ اکیلے محمد بن مروان نے اعمش سے اس کی روایت کی ہے۔ حالانکہ یہ ان کی زبردست غلط فہمی ہے۔ اعمش سے ابومعاویہ کی روایت کا انکار کسی طرح درست نہیں۔

قال الألباني: "قال ابن عبدالهادي في "الصارم المنكي في الرد على السبكي" (ص ۱۹۰): و قد روى بعضهم هذا الحديث من رواية أبي معاوية عن الأعمش، و هو خطأ فاحش، و إنما هو محمد بن مروان تفرد به، و هو متروك الحديث، متهم بالكذب."

(سلسلة الأحاديث الضعيفة: ١/٣٦٨)

اسی طرح اگر علامہ البانی طبقات المحدثین باصبہان میں ابو صالح الاعرج کے ترجمہ کے بعد آگے صرف تین صفحات مزید ملاحظہ فرماتے کہ ابوالشیخ رحمہ اللہ نے جب ابوصالح کے بارے میں جرح سے سکوت فرمایا اور اس کے بھائی محمد بن احمد بن یزید الزھری کے بارے میں فرمایا: "أخوه محمد بن أحمد بن يزيد الزهري، لم يكن بالقوي في حديثه، كثير الحديث."

یعنی عبدالرحمن الزہری کے بھائی محمد بن احمد الزہری کثرت سے حدیث روایت کرتے ہیں مگر حدیث (کی روایت) میں قوی نہیں ہیں، تو ان پر واضح ہو جاتا کہ یہ ضمناً ابوصالح الاعرج کی توثیق وتعدیل ہے۔ ورنہ ابوصالح کے بارے میں کوئی جرح اگر کی گئی ہوتی، تو اسے لازماً نقل فرماتے، جس طرح یہاں ان کے بھائی کے متعلق تبصرہ کیا ہے۔

البانی صاحب کا تناقض:

علامہ البانی کے نقد احادیث کے سلسلے میں تسامحات میں سے ایک تسامح یہ تبصرہ بھی ہے جو اس حدیث پر ہے، چنانچہ مشکوۃ المصابیح پر اپنی تحقیق میں اس حدیث پر صرف ''ضعیف'' کا حکم لگایا۔ اور اس کی تو شاید وضاحت کی ضرورت بھی نہیں کہ ضعیف حدیث کا ضعف جتنا بھی شدید ہو، ضعف کی وجہ سے اسے ہرگز موضوع قرار نہیں دیا جا سکتا۔

قال الألباني: "(ضعيف) وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، و من صلى عليّ نائيا أبلغته." رواه البيهقي في شعب الإيمان."

(مشكوة المصابيح بتحقيق الألباني: ١/٢٠٤، ح ٩٣٤، المكتب الإسلامي، بيروت)

پھر ''ضعیف الجامع الصغیر'' میں اس حدیث کو مطلقاً ''موضوع'' کہا ہے۔

في ضعيف الجامع الصغير للألباني: "(موضوع). (هب) عن أبي هريرة. "من صلى عليّ عند قبري سمعته، و من صلى عليّ نائيا أبلغته."

(ضعيف الجامع الصغير: ١/٤٣٥، ح ٥٦٧٠، المكتب الإسلامي)

اور پھر البانی صاحب نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ میں ابوالشیخ کی روایت کی بناء پر محمد بن مروان سے مروی حدیث کے پہلے حصے کے بارے میں لکھا: اس کا پہلا حصہ اس متابعت کی بناء پر موضوع ہونے سے بچ جاتا ہے۔ اور ساتھ میں یہ بھی لکھا کہ اس حدیث کا پہلا حصہ سیوطی نے اپنی جامع صغیر میں بیہقی سے نقل کیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب اس حدیث کا پہلا حصہ اس متابعت سے یہاں پر موضوع ہونے سے بچ گیا تو بیہقی یا جامع صغیر میں کیوں نہ بچ سکا؟!!!

كما قال في السلسلة الضعيفة: "من صلى عليّ عند قبري سمعته،

ومن صلى عليّ نائيا وكل بها ملك يبلغني وكفى بها أمر دنياه و آخرته، وكنت له شهيدا أو شفيعا."

موضوع بهذا التمام ...... وجملة القول أن الشطر الأول من الحديث ينجو من إطلاق القول بوضعه لهذه المتابعة التي خفيت على ابن تيمية و أمثاله، و أما باقيه فموضوع لخلوه من الشاهد، وبالشطر الأول أورده في الجامع من رواية البيهقي."

(سلسلة الأحاديث الضعيفة: ١/٣٦٦، ٣٦٨، ح٢٠٣)

اسی لیے البانی صاحب کے اس طرح کے تناقضات پر علامہ دویش رحمہ اللہ نے باقاعدہ ایک کتاب "تنبيه القاري لتقوية ما ضعفه الألباني" کے نام سے تصنیف کی ہے جس میں اس تناقض کا بھی (۱/۱۳۶ پر) ذکر ہے۔

مقصودی بات:

حالانکہ اس حدیث میں مقصودی بات ہی اس پہلے حصے میں ہے کہ قبر مبارک پر پڑھا گیا صلاۃ و سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود سماعت فرماتے ہیں۔ جیسے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں مکمل صراحت سے لکھا ہے۔

قال في المرقاة: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من صلى علي عند قبري سمعته." أي: سمعا حقيقيا بلا واسطة." (المرقاة: ٤/٢١)

واضح رہے کہ علامہ مناوی نے ابن حجر کے قول اور محمد بن مروان پر فنی تبصرہ کرنے کے باوجود اسی مذکورہ حدیث کی شرح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر صلاۃ وسلام سماعت فرمانے کی تصریح کی ہے۔ جیسا کہ فیض القدیر کی مندرجہ بالا عبارت میں گذرا۔

جب یہ ثابت ہوگیا اور دوسری احادیث سے اس کے معنی کی تائید بھی ہو رہی ہے جیسے کہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے تو حدیث کو صحیح یا کم از کم حسن ماننے بغیر چارہ نہیں۔

خلاصۂ بحث:

حاصل بحث یہ کہ یہ حدیث کسی طور پر حسن سے نیچے درجے کی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا اس حدیث کی سند کو "جید" قرار دینا بالکل درست ہے اور ان کے مقابلے میں علامہ مناوی کا اس کو "غیر جید" اور البانی کا اسے "غیر مقبول" قرار دینا درست نہیں۔

اور اعمش سے اس حدیث کی روایت کو محمد بن مروان جیسے راوی کی وجہ سے بے اصل قرار دینے کا علامہ عقیلی رحمہ اللہ کا یہ قول: "لا أصل له من حديث الأعمش." بجائے خود بے اصل ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ ابو معاویہ جیسا ثقہ راوی اس کا متابع موجود ہے۔

انصاف کا تقاضا:

اب انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب قوی ''متابع'' مل جائے تو اس کو قبول کیا جائے اور حدیث کو اس کی حیثیت کے مطابق مقبول قرار دیا جائے۔ جیسے کہ خود علامہ البانی نے بھی حیاتِ انبیاء سے متعلق مشہور حدیث "الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون." کے بارے میں قوی متابع ملنے کے بعد اس کی تضعیف سے رجوع کیا۔

قال في السلسلة الصحيحة: "الأنبياء ـ صلوات الله عليهم ـ أحياء في قبورهم يصلون." ...... فهذه متابعة قوية للأزرق ...... قال المناوي في "فيض القدير" بعد ما عزاه أصله لأبي يعلى: "وهو حديث صحيح." ولكنه لم يبين وجهه، و قد كفيناك مؤنته، و الحمد لله الذي هدانا لهذا و ما كنا لنهتدي لو لا أن هدانا الله.

هذا. وقد كنت برهة من الدهر أرى أن هذا الحديث ضعيف لظني أنه مما تفرد به ابن قتيبة ـ كما قال البيهقي ـ ولم أكن قد وقفت عليه في مسند أبي يعلى و أخبار أصبهان. فلما وقفت على إسناده فيهما تبين لي أنه إسناد قوي و أن التفرد المذكور غير صحيح، و لذلك بادرت إلى إخراجه في هذا الكتاب تبرئة للذمةو أداء للأمانة العلمية و لو أن ذلك قد يفتح الطريق لجاهل أو حاقد إلى الطعن و الغمز و اللمز، فلست أبالي بذلك ما دمت أني أقوم بواجب ديني أرجو ثوابه من الله تعالى وحده. فإذا رأيت أيها القارئ الكريم في شيء من تآليفي خلاف هذا التحقيق، فاضرب عليه و اعتمد هذا و عض عليه بالنواجذ، فإني لا أظن أنه يتيسر لك الوقوف على مثله. والله ولي التوفيق."

(السلسلة الصحيحة: ۲/ ۱۲۰، ح ۶۲۱)

وفي السلسلة الضعيفة: "قوله صلى الله عليه وسلم: "الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون."

وهو حديث صحيح كما تبين لي بعد أن وقفت على متابع له، قال البيهقي: إنه تفرد به، فكتبت بحثا حققت فيه صحة الحديث وأن التفرد المشار إليه غير صحيح و أودعت ذلك في السلسلة الأخرى برقم (۶۲۱)."

(السلسلة الضعيفة: ۱/ ۳۶۶، ح ۲۰۲، مكتبة المعارف، الرياض)

وضاحت:

بحث کے اختتام سے پہلے ایک وضاحت ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں صلاۃ وسلام کے سماعت فرمانے کا عقیدہ صرف اس ایک حدیث پر مبنی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فتویٰ کے شروع میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکور دوسری حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں آپ نے سلام کرنے والے کو جواب مرحمت فرمانے کا فرمایا ہے اور سلام کا جواب بغیر سنے نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ وہ تمام احادیثِ مبارکہ جو عام اموات کے سماع پر دلالت کرتی ہیں وہ بھی اس کی دلیل ہیں۔ اسی طرح وہ احادیثِ مبارکہ جس سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہوتی ہے ان سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے کیونکہ سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں آپس میں جڑے ہوئے ہیں، جیسے کہ بحث کے شروع میں گزرا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ حدیث کی سند پر کلام کے باوجود دیگر احادیث کی بناء پر اس حدیث کے معنی کی صحت اور ثبوت کے قائل ہیں۔

بلکہ سماع سے بڑھ کر فقہاء تو بصارت کے بھی قائل ہیں اور اسی بناء پر فرماتے ہیں کہ زائر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریف کے مدِ مقابل کھڑا ہو اور پشت قبلہ کی طرف رکھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں داہنی کروٹ پر روبقبلہ محو استراحت ہیں اور علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ زائر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی طرف سے آئے اس طرح کہ پشت مکمل طور پر قبلہ کی طرف نہ ہو بلکہ قبلہ بائیں جانب پر ہوتا کہ زائر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور اور آنکھوں کے سامنے ہو۔ یہ طریقہ اولیٰ ہے۔ اس کی وجہ میں علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فقہاء کے اس قول کو نقل کیا ہے: زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے، نہ کہ سر کی جانب سے کہ اس سے میت کی آنکھوں کو تھکاوٹ ہوتی ہے، بخلاف پاؤں کے، کیونکہ جب میت قبر میں دائیں کروٹ پر ہوگی تو اس کی نظریں اپنے قدموں پر ہوں گی اور زائر میت کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔

قال ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ: "ثم يأتي القبر الشريف فيستقبل جداره ويستدبر القبلة على نحو أربعة أذرع من السارية التي عند رأس القبر في زاوية جداره. وما عن أبي الليث أنه يقف مستقبل القبلة مردود بما روى أبو حنيفة رضي الله في مسنده عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: من السنة أن تأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم من قبل القبلة، وتجعل ظهرك إلى القبلة، وتستقبل القبر بوجهك، ثم تقول: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، إلا أن يحمل على نوع ما من استقبال القبلة، وذلك أنه عليه الصلاة والسلام في القبر الشريف المكرّم على شقه الأيمن مستقبل القبلة. وقالوا في زيارة القبور مطلقا:

الأولى أن يأتي الزائر من قبل رجل المتوفى لا من قبل رأسه فإنه أتعب لبصر الميت، بخلاف الأول؛ لأنه يكون مقابلا بصره، لأن بصره ناظر إلى جهة قدميه إذا كان على جنبه؛ فعلى هذا تكون القبله عن يسار الواقف من جهة قدميه عليه الصلاة والسلام، بخلاف ما إذا كان من جهة وجهه الكريم، فإذا أكثر الإستقبال إليه عليه الصلاة والسلام لاكل الاستقبال بكون استدباره القبلة أكثر من أخذه إلى جهتها فيصدق الاستدبار ونوع من الاستقبال وينبغي أن يكون وقوف الزائر على ما ذكرنا، بخلاف تمام استدبار القبلة واستقباله صلى الله عليه وسلم فإنه يكون البصر ناظرا إلى جنب الواقف، وعلى ما ذكرنا يكون الواقف مستقبلا وجهه عليه الصلاة والسلام وبصره؛ فيكون أولى."

(فتح القدير: ۱٦۸/۳، ۱٦۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ کہ سوال میں جن الفاظ کے متعلق پوچھا گیا ہے اَز روئے احادیث و آثارِ صحابہ و تابعین (مذکور تقریباً ۳۰) وبتصریح ائمہ کرام وسلف اہل سنت وعلماء عرب اور اکابر علماءِ دیو بند کے نزدیک خاص اس موقع پر پڑھا جانے والا درود شریف ہے اور مواجہہ شریف پر صلاۃ وسلام پیش کرنے کا بالکل درست اور افضل طریقہ ہے، البتہ قبر شریف کے علاوہ عام حالات میں سب سے افضل درود ''درودِ ابراہیمی'' ہی ہے۔

طوالت سے بچنے کے لیے ان کتب فقہ وفتاویٰ کے صرف حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں جن میں اسی طرح سے سلام پیش کرنے کا طریقہ صراحۃً مرقوم ہے۔

۱۔ فتاوی السبكي: (۵۵/۲)

۲۔ فتاوى الأزهر: (۱۹۸/۱)

۳۔ فتاوى الرملي: (٤۱۷/۲)

٤۔ الفتاوى الهندية: (٤۰۹/٦۔ ٤۱۱)

۵۔ مجموع فتاویٰ ابن باز: (۱۷۳/۱٦)

٦۔ المنتقى من فتاوى الفوزان: (۲۳/۱٦)

۷۔ الحاوي للفتاوى للسيوطي: (۳۹۰/۳)

۸۔ فقه السنة للشيخ السيّد سابق: (۷٦۳/۱)

۹۔ الفقه على المذاهب الأربعة: (۱۱۰۰/۱)

۱۰۔ فتاوى الشبكة الإسلامية معدلة: (۲۰٦۱/۳)

١١۔ فتاوى الإسلام سؤال وجواب: (١/٣٣٩٠)
١٢۔ خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفى: (١/٤٢)
١٣۔مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: (٣/٢٥، ٢٦)
١٤۔ نور الإيضاح ونجاة الأرواح: (١/٨٤، ٨٥، ٨٦)
١٥۔ مجلة البحوث الإسلامية: (٢١/١٩٩)، (٣٣/٩٩)
١٦۔ مجموع فتاوى و مقالات ابن باز: (١/٦٣، ٦٤)، (٢/٢٣٤)
١٧۔ الموسوعة الفقهية الكويتية: (١١/٢٩٦)، (١٥/١٥٢)، (٣٦/١٥٧)
١٨۔ أوضح المسالك إلى أحكام المناسك للشيخ عبد العزيز بن محمد السلمان: (١/١٤٠)
١٩۔ مجموع فتاوى ابن تيمية: (٤/٢٢، ١٣٠)، (٥/٤٧٥)، (٦/١٩٤، ١٩٦، ٢١٥، ٢٣١، ٢٨٤)
٢٠۔ كتب و رسائل ابن عثيمين: (٢٢٠/٩، ١٣، ٣٥)، (٢٤٠/٣)، (٢٤١/٧٧، ٧٩، ٨١)، (٢٤٢/١٧)☆

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

محمد بن جان محمد

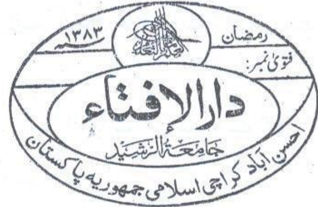
دار الافتاء جامعۃ الرشید

احسن آباد، کراچی

١٤٣٢/٢/١٢ھ

الجواب صحیح
محمد عفی عنہ
دار الافتاء جامعۃ الرشید کراچی
١٢/صفر ١٤٣٢ھ

الجواب صحیح
بندہ سفیر احمد ثاقب
دار الافتاء جامعۃ الرشید کراچی
١٢/٢/١٤٣٢ھ



الجواب صحیح

☆: اس فتویٰ میں حوالہ جات کے لیے کمپیوٹر پروگرام "المكتبة الشاملة" اور انٹرنیٹ سے بھی مدد لی گئی۔